



چپل بھی معمول کے مطابق غائب تھی، جنید روز سویرے اٹھ کر اس کی چپل پہن کر نیچے چلا جاتا تھا اور رات کو حسب معمول ننگے پاؤں اوپر آ جاتا تھا۔
 ”کمینہ! یونیورسٹی سے لوٹے تو ٹائیکس توڑوں گا۔ اب بننے میری چپل۔“ اسے ننگے پاؤں پھرنے سے سخت چڑھتی۔
 دانش روم کے سامنے پڑے غزل کے سلیپرزیروں میں اڑسا کر وہ نیچے اترتا۔
 داوی جان حسب معمول یکن کے دروازے کے

”جشید...! اٹھ جا بیٹے، دھائی بج رہے ہیں۔ میرا چاند، اٹھ... نیچے آ جا۔“
 ”اف!“ اس نے بیزاری سے کروٹ بدل کر ننھے سے لاؤڈ اسپیکر کو دیکھا۔ داوی جان کا روزمرہ کا اعلان نشر ہو رہا تھا۔
 ”دبی لادے... اٹھ جا... نیچے۔ آ جا چاند، نیچے آ جا۔“
 ”چاند بھی کبھی نیچے آیا ہے داوی!“ وہ اٹھ کر چپل ڈھونڈنے لگا۔ ”جو نیچے آ جائے وہ چاند کیسا۔“

ناولٹ

ساتھ پڑے لکڑی کے تخت پر اپنے پاندان کے آگے براجمان تھیں۔
 جشید کو ایک نگاہ دیکھ کر انہوں نے چھٹکی پر لگا کتھا پہلے چاٹا پھر چھٹکی بالوں میں پھیر لی۔
 ”ہمو... آگیا ہے جشید... اسے دبی کے پیسے دو۔“
 یکن سے امی کا کوئی جواب موصول نہ ہوا وہ اس کے دیر سے اٹھنے پر ہمیشہ کی طرح ناراض تھیں۔ وہ بے زار بے زار سادادی کے پاس بیٹھ گیا۔
 ”ارے بچے! جامنہ دھولے... دور سے ہی سزا مند آرہی ہے۔“ داوی نے سفید غرارہ سمیٹا۔ وہ برے برے منہ بنا تا کو نے میں بنے دانش ہمیں کی جانب بڑھ گیا۔
 ”اے تاج...! اب دوگی دبی کے پیسے؟“ داوی



”اور یہ رانا!“ جیشی نے فخر سے پتھیر کیا۔ ”وہ بھی چڑیا کا۔“

فرل نے خاک چڑھا کر ہاتھ میں چکوتے پتے پھینک دیے اور پتے ہلے سے ٹانگیں ہانے لگی۔ جیشی غامو کی طرح کھٹکے اٹھا۔

”یہ تمہارا کون سیں ایتے برسے بنائی ہو؟“ جیشی نے فرل کو چیلز۔

”میں ناکیں ہوں بھلی جان! ایک تو میرا پھلے سے برائیں ہے۔“

”مطلب؟“ وہ اس کی بات نہ سمجھا۔

”مطلب یہ کہ آپ کے من کو یہ اچھی رائی اکہہ رہی ہے جو مزہ برا نہیں مل سکتا۔“ جیشی نے وضاحت کی

فرل اسے ٹھورے لگی۔ جب کہ جیشی اسے ٹھور رہا تھا۔

”اپنی بے کئی وضاحتیں تم اپنے پاس نہیں رکھ سکتے؟“

”میں تم کو لانا نہیں دیتا جو کہ تم کے لیے قتل“ وہ جیشی سے اچھڑی۔

”میں تم سے نہیں دماغ سے اٹکتا ہوں۔“ اس نے تھکا خیز کہل۔

”دماغ میں جو کہ ہے وہ بھی تو نرسن کر گئے ہیں کی طرح سے تمہارے۔“

جیشی نے کھلے ہاتھ کے ٹھورے ہمارا تو دور کر سرتے اتر گئی۔

”تبادلہ کا کسی بیان۔“ اس نے مسمی کہی تھی۔

”سارا کارا سارا نرسن تمہارے کرنا ہے۔“

جیشی ناکیں کر کے اس کی ہنسنی کو من رہا تھا۔ وہ بھی نہ جانتی کہ اس نے اسے

”جیشی“ جیشی فرل۔“ نیچے آجائے۔“ اٹھا۔

لاڈا بیکر پر کھول کی توازن کوئی تھی۔ ”میں تم کی ہوں۔“

”ابا! تم کو۔“ فرل میں ایک بلی بھڑکی۔

”جیشی کی جانب مکی۔“

”آہستہ آہستہ۔“ بڑھیاں نہ توڑ رہیں۔“

[illegible][illegible][illegible]

[illegible][illegible]

لانے کے لیے؟

"خلفہ؟ غزل پالائی۔" میں سوری ہوئی تو داوی اُسی جان سے خلفہ سگھانے کو کستی ہیں بقتل من کے میں سوتی نہیں ہے، ہوش ہوتی ہوں۔

"خلفہ کی جنگ۔" جینے نہ بس کوئی بھر گھورا۔ "بیکم کی دکان میں بھل میں نہیں ہے تم جاؤ اپنی پونڈار کی جراب لے کر آؤ گئے سے کھل کر۔" اس کا کہنا کرتے؟ "بیشیش چروں ہوا۔"

"اٹھ لو سگھانا ہے اور کیا میں اس میں جائے چھانوں؟" وہ پڑ کر ہوا۔

"ارکھ ارسہ رہے نہ۔ بھائی کی رہنے لک میں کوئی سا بچ ہے وہ توں ہوں۔" اٹھل صرف جینک اور مکی سے کچا کر اٹھ بیٹھے۔

"میں توئی۔ بچی ذرا۔" وہ چوٹ سلائے تھے۔

"پانی میں استراحت کو لیت گئے تھے۔" جینہ طوڑا ہوا۔

"اؤ نہیں بیٹے تم ذرا چٹ کا اڑ کر رہا قلعہ بادشاہ میں تکی رہو۔ رنگ صاف کردی۔ کئی پرانی باتیں بھی یاد آئیں۔"

"بہن اٹھ۔" غزل شرمائی۔ "وہ تو ایسی۔" اٹھل جس بھی کچھ یاد نہ آیا، کلفت ہے کیا کرے۔

"جینک کی رگ خراوت پڑا کئی۔" غزل پچھے بھی نہیں گئی اس تیرن کھن آپ کے۔

"مٹاؤ اللہ۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ "بیٹے۔" کیا نام ہے آپ؟ خدام کو خود خرید علی کہتے ہیں۔

تقب قلعہ بن صاحب کے آئیں شو ہوا ہوں بڑی اچھی یاد رہے ہمارے۔

"اُٹھیں؟"

"اُٹھیں۔"

ان تینوں کی ساری ہوجو کھل گئی اور چوہوں پر ہوا پانی ڈالنے لگیں۔

میں ہیں۔" بھلا خورشید کے باغ کی کھلی بھلی ہوئی غزل کے تومارے فیروز ڈال گئے تھے۔

"جائنا توں۔" تب شاید جیشید بیٹے ہو۔" انہوں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"جی۔ جی۔ اٹھ۔" یہ بیٹہ بیٹا ہے۔ اور یہ غزل بیٹی ہے۔ "جیشید۔" لقب الدین صاحب کے قصور سے کاپ بوا تھا۔ اول غزل بیٹے کا۔ "مناشی اور خورشید بیٹی کہاں ہیں؟"

وہ حصار اور فخر کو غائب کر جینے سے چھٹے لگا۔ "رہے وہ بیٹے۔" خورشید صاحب نے پھر شانہ چھپا۔ "میں تو اٹھل صرف تپ ہے کام ہے۔"

"خزائے اٹھل اور شانہ؟" وہ ہنر کوں ہوا۔ "ارشا؟" وہ دوسرے پریشان ہوئے۔ "وہ تو کمر ہے۔" اسے ساتھ میں ایک آہ۔ "تو صرف ایک فکر دیکھا ہے۔ اس لیے کیا ایسی آگیا۔"

جینہ لاش کس کی باتیں ہی تھیں کے سر سے کر رہا۔ "ان تینوں نے ایک دوسرے کو سوال پھر دیا۔" وہ ہنر سے کھا۔

"کس کو ساتھ میں لائے آپ؟" جینہ نے پھر چھل "ارشا کو پوچھ رہے تھے آپ۔ میری میرے نبوا لائی تھی۔"

"ایک نظر کیا دیکھیں کے اٹھل؟" غزل نے ہونٹوں کی مانند پوچھا۔

"جی۔ جی۔ کھر۔" تب سے کھر کا اور دالا پورن، مگر اسے پہلے نہ تپ۔ یہ دس ایک نظر دیکھنے لیا ہوں۔"

"اُٹھیں۔" ان کے سروں پر حیرت کا پامازوٹ پڑا۔

جیشید چاند ہاتھ پیر پیرا۔ چنگ پرے حسد و حرکت لینا تھا۔ جینہ کو تمام کر رہی ہر سر کے پیچھے دونوں ہاتھوں کا کھر ساہانے کی کمری سوچ میں کھا۔ غزل کھر ہاتھ دے کھر سے دھر پھر رہی تھی۔

"داوی جان تو میرا جینا عذاب بدیہیں گی۔" وہ بچ کھر سے دھر کھر میں دھر مدتی سے گویا ہوئی۔ "سب سے زیادہ میرا نہیں بچہ ہے۔ ہر سیرے کھر میں بڑی بھولوں سے اس کو رش و عافیت میں آچھتی ہوں۔ تب ہی دلاؤ ڈاؤ پتھر پر ہنر گھاس پھاس پائی ہیں۔"

"اور ای جان بازار کے پھر لگاؤ۔ لگاؤ اگر میرا فخر پھوٹا کر دیں گی۔" جیشید نے لہندگی تو پھر۔ "میں تو میری صورت دیکھتے ہی بازو کی سب کا کھر یاد آجاتی تپ۔"

"اور ابو جی۔" تیس کے سوال کر کر کے بچ کر دیں کھر۔ "جینہ نے نصف سے سر پایا۔ میرے لیے ایک اٹھل بنا۔ وہ کھر چار کھتے ہیں۔"

"نچو کھل چار پیرہ روز پیر۔" غزل سوچنے لگی۔ "ایک داوی جان کے تعریف میں ہے ایک ایسی ہو گا۔"

ایک پر جیشید بھائی جان تپ۔ جیشید نے اس کے اور ایک پر کہا۔ "اس نے جینہ کو کھورا۔" میں آخر کھر جانوں کی۔

"مجبوراً۔" تیس داوی جان کا کھر شیر کرنا ہو گیا۔ "لہو دھان اٹھا نہ پیرا۔"

"ہائے نہیں۔" غزل نے ڈھائی دی۔ "میں مرنالوں کی جینہ۔"

"پار پھر قصہ ہی ختم ہو گیا ہے۔ خون خاک نیشاں تھا۔ رزق خاک ہوا۔ پانی کھر نیشاں ہے۔ داوی جان کی نسبت تم قبر کے گڑبڑ کے ساتھ زیادہ اٹھل میں کر دی۔" دشتا کھر دھائی کھر۔ "میں کھر۔" غزل نے غمزہ پھر لیتے ہوئے اس کو ایک صو کا مرید کیا۔

"کے تو چاہتے تپ۔" وہ کھر میں صو کھر انھوں کھر کے۔ "وہ دھائی ہوئی۔"

"میں تو تمہارے ہی کھلے کو کہہ رہا تھا۔ داوی جان کے ساتھ کھر شیر کرنے سے کھر کھر تپ رہی ہے کہ توئی صو کھر دوا دھائی کی مثل سامنے سے دن پھر تو بندے کا جو حشرہ کرتی ہیں اس کے لیے کسی قسم کی وضاحت کی ضرورت ہی نہیں۔" رات کو بھی ان کے

خواتین انسان کو دانو سار کے زمانے کے خواب ہا کسی کھ کے دکھاتے ہیں۔ خیر میں انسان کی سمجھتا ہے کہ یہ دانو سار کی قوا میں ہیں۔ خواب میں ایک خیر کا دانو سار کو اپنا پیچھا کرتے دیکھ کر خوف سے آنکھ کھلتی ہے تو قلعہ صوب میں بڑے مکی سے برتن سے زیادہ کھگ ہوا ہے۔ اور میں نے ایسا کیا ہا پانی کے لب میں بڑے تپ۔ سب انکھتات کا قلعہ صوب ہوا ہے۔ مٹاؤ انکھتاف کہ وہ آواز دانو سار کی نہیں داوی کے خزانوں کی ہے۔ وہ سرا انکھتاف کو بود از مگر جب قمرش آئے کھر کھلے تو مٹاؤ کیا۔ پھر ہو گا۔ تیرا انکھتاف کہ ابھی تو کہہ رہا ہے کھل میں اس کو آواز میں۔ صوبی بھرا ت کہ راز جانے ہوئے بھی جیشید آسمو پھٹنے کا اور غزل آندو کے قصور میں ذہنی خمر کھاتے تھی۔

"جینہ۔" لہو کھلا تپ کھر۔ "وہ کھر کھتہ تپ۔" "ابو جان کہ مٹا۔" آخر میں ایسی کی ضرورت تپ پڑی کہ ابھی تپتے جیشید ہمارے سر کی بھت اور پیر کی زمین کے دھن گئے۔ آخر تپ کر لے ل جائے گا اس بچ کھیا کا اور پھر نقصان صرف پیر لائی تپ۔ تم اور بھائی جان بھی تو صوب کھو گے۔ ہت سببات عدالت سے کی مقدمہ چلے گا۔ سراسا لائی جائے گی۔ داوی جان کا پیر جہ سے کسی ایسی جان کی بھڑکیں تو بلا شرکت پھرے بھائی جان کے بھٹے میں آئیں گی اور ابھی کے کوئی میٹ سے تھیں کھر بھانے؟ ہم تپتیں کی بھانت ہی تپ ہے کہ یہ کوڑا عافیت ہمارے قبضے میں رہے۔"

"ہوں۔" اس نے سر پایا۔ "ایک بات سمجھ میں آتی ہے۔"

"وہ کیا؟" جیشید اور غزل تپ تپ کی تپ تپ سے اس کے قریب آئے۔

213

213

”داوی۔۔۔ داوی جان! میری بیماری داوی۔۔۔!“
اس نے بات بگڑتے دیکھی تو غراپ سے غوطہ لگا
ان کی گود میں گھس گیا۔

”اپنے اس لاڈلے پوتے کی بات کا غلط مطلب نہ
لیں۔ بخدا میرا مطلب وہ ہرگز نہ تھا۔ جو آپ نے اخذ
کیا۔ میں تو آپ کے بھلے کی سوچ رہا ہوں، آپ کی
دراڑی عمر کا طلبہ گار ہوں اور آپ کے سکون و آرام
کے لیے دعا گو ہوں۔“

”بیچھے ہٹ مر دار۔۔۔ کب سے نہایا نہیں۔۔۔ سینے کی
کیسی بو آ رہی ہے۔“ داوی سخت ناراض ہوئیں وہ
جھٹ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”میں تو صرف چار دن پہلے ہی نہایا تھا داوی جان! وہ
غزل کی جی تو ہفتوں نہیں نہاتی، پر فوم وغیرہ اس فقیرنی
کے پاس ہوتے نہیں، یوں ہی پھرا کرتی ہے اور خدانے
آپ کو سونگھنے کی بے پناہ صلاحیت سے مالا مال فرمایا
ہے۔ آپ کی نفاست پسند طبیعت، بھلا اس گندی
سندی کو اپنے کمرے اور اپنے بستر پر کیسے برداشت
کر رہی کی؟ بتائیں؟“

”ہائیں؟“ داوی نے شہادت کی انگلی ناک پر رکھی۔
یہ ان کی حیرت کا اظہار تھا۔

”لیکن میں کیوں اپنے کمرے میں اسے گھٹنے دوں
گی؟“ قدرے توقف کے بعد انہوں نے دریافت کیا۔
”وہ اس لیے کہ نہ میں اسے اپنے کمرے میں گھٹنے
دوں گا نہ بھائی جان! آ۔۔۔ آپ ہی رہ جاتی ہیں۔“

”کم بخت۔۔۔ وہ غریب تو اوپر اپنے کمرے میں پڑی
رہتی ہے۔ تجھے کاہے کے درد اٹھ رہے ہیں؟“

”بیچے!“ جنید نے گہری سانس بھری۔ ”زیلنا مرد
تھی یا عورت! ارے داوی جان۔۔۔ اتنی دیر سے وہی تو
عرض کر رہا ہوں۔ ابو جان اوپر والا پورشن کرائے پر اٹھا
رہے ہیں۔ بھائی جان، میں اور غزل اپنے اپنے کمروں
سے ”جلا“ کیے جا رہے ہیں۔ جلا کرہ! ایسی اصطلاح
ہے؟“

”ہائیں!“ داوی سوچ میں پڑ گئیں۔ ”یہ قطب
الدین کو کیا سوچھی بھلا۔؟“

”ابو جان کے مطلق العنان فیصلوں کو اگر کوئی
شخصیت تبدیل کر سکتی ہے تو وہ ہیں داوی جان! ابو نے
اگر اوپر والا پورشن کرائے پر اٹھانے کا فیصلہ کر ہی لیا
ہے تو میرے بھائی جان کے یا تمہارے کہنے سے وہ
اسے تبدیل نہیں کریں گے۔ اہی جان بھی بس نام کی
اہی جان ہیں۔۔۔ وہ سبھی ہماری حمایت میں آواز بلند نہیں
کر سکیں گی۔ اب رہ گئیں داوی جان۔ تو جناب ابو اگر
امریکہ ہیں تو داوی جان پی پی کی اسرائیل۔۔۔“
”شرم کرفس۔“ غزل نے قطع کلامی کر کے اسے
گھورا۔

”ایک مثال تھی۔“ اس نے بات جاری رکھی۔
”ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا۔ یہ کہ داوی جان کو منانا ہوگا“
ایک بار اگر داوی جان مان گئیں تو سمجھو داوا جان بھی
گھر کو کرائے پر نہیں چڑھا سکتے۔“
”ہوں۔۔۔!“ ان دونوں نے ایک گہری اور معنی خیز
”ہوں“ برآمد کی تھی۔



”یہ غزل کی بچی بھلا اس لائق ہے کہ اس کے
ساتھ کوئی شریف النفس کرہ شیر کر سکے؟ داوی جان
سن لیجئے۔ آپ کے آرام اور سکون کے دن گئے
چاہیے۔۔۔ اب وقت آن پہنچا ہے کہ آپ رات کو
صبح و شام داوا جان سے ملنے کو بے قرار رہیں گی۔۔۔“
جنید جو شش خطابت میں بہت آگے نکل گیا تھا
جب ایک دو ہتھڑا آئے واپس حقیقت کی دنیا میں لے
آیا۔

”کم بخت ناس پیٹے۔۔۔ جیسی تیری شکل ہے اس
سے بری بات کرائے ہو تو۔۔۔“ داوی جان کا سفید
جھاگ سا چہرہ غصے سے سرخ ہوا۔

”ارے مجھ سے دس، دس پندرہ پندرہ سال بڑی
بوڑھیاں ابھی بیٹھی عیش کر رہی ہیں اور میں تیری
نظروں میں کھنک رہی ہوں۔۔۔ بچے تو داوا، داوی کو
پلکوں پر بٹھاتے ہیں اور ان کم بختوں کے خون کی
سفیدی دیکھو ذرا۔۔۔“

"وہ اکل تفریف نہیں لائے تھے
کل دیئے تھے۔ تو اور سوکے چرے والے۔
مگر کھینے ہی آئے تھے۔"
"اچھا! اچھا! تو یہ بات ہے۔"

"گورہ! دوست! یہ جانئے آپ سے اجازت تک
لینے کی ضرورت محسوس نہ کی؟ بوڑھی میں سے پوتے
کچھ نہ پائے، غلط آپ ہی کبھی پتہ نہ چلے۔"
"کیسے؟ میرا قلب الدین لیا نہیں۔" "داؤدی جان
نے غزاں سمیٹ کر بلا دلا۔" "اس نے فیصلہ کیا ہے تو
کچھ سوچ کر ہی کیا ہوگا۔"

"لیکن آپ بھی تو سوئے، داؤدی! اس فیصلے کے
مغضرت پر غور فرمائیے۔ سب سے زیادہ غلط جس
شخصیت کے آرام میں ہے گا، وہ آپ ہیں۔"
"تمہ؟" "داؤدی نے ہمارا کمرہ دیکھا۔" "اور
میرے کمرے پر سر اٹھائے گا کر لے گا۔"

"کرائے دار نہ سہی، بھائی جان! غزل
اودھ لائیں، بھی۔ تم تو آپ کے سر پر میرا
مطلب ہے۔ غزل! غزل! سارا دن میں بیٹھے رہے گی۔
سوئے، اچھا تو چلتی ہے تو ذرا آجائے۔ بڑی بھتی ہے تو
صور اور اسٹیل پھونکتی ہے۔ سوئے ہے تو نہ۔" "اسے
کوئی مناسب تھیف نہ ہو سکتی ہے۔ اور اس کے کپڑوں کا
شق! اتویہ میرے اللہ! تو بے آپ کی آخرت تو کئی
داؤدی ہیں۔"

"گھر سب سے۔" "کیونکہ، بھتیجہ! جس کی کمرہ برسر
"چچو! لا کر۔"

"جئے جئے۔ آخر آپ سمجھتی ہیں نہیں داؤدی
جان؟" "وہ کراہ۔" "میں پر حوں گا، میرے؟ کونسل آئی کے
بچے سارا دن یہاں بیٹھتے ہیں۔"

"میری تو آنکھ میں کھٹکتے ہیں۔"
"آپ کی مہلت میں کتنا غلط پڑے گا۔ آپ تو
بلا مشرکت غیبت اس پر دشمن کی بالک ہیں۔" "داؤدی جان
کراس کا سانس بھر لے گا کھنکھ۔"
"انے دے، قلب الدین کو۔" "داؤدی جان
اٹھیں، یہاں سے پٹان کھول کر بیٹھ گئیں۔" "میں کرتی

"ہوں بات۔"
"ہاں!" "وہ کراسی بھر کر پکڑ کر کرسی پر گا۔
ہرے کے چپے کھڑے، جھینڈ اور غزل ہاتھ ملائے
کھنکھ۔"

"اہل مان کے بھٹلے کے لیے یہ کربا ہوں۔ اور
اپنے بھٹلے کے لیے کچھ تیلوں کو روٹیاں کھلی ہوئی ہیں۔
بوڑھے ملاپ کا احساس نہیں۔" "قلب الدین
صاحب چرے بیٹھے تھے۔"

"اے قلب الدین! اپنے ہیں یہاں بے گھر کرتا ہے
من غریبوں کو! اپنا الگ بیٹھے آرام سکون سے دیتے
ہیں۔ اپنا اپنا کو بے تیلوں کے پاس۔ کوئی کھانا کھانا
نہیں کھاتے نہیں۔"

"جئے جئے نہیں یہ۔ وقت کا زیاں کر رہے ہیں۔
کوئی فن کو پوچھتے والا نہیں۔ آپ بیڑیا میں چرے نہیں
سکتیں۔ آج کو گھر کے کاموں سے فرصت نہیں، میں
سارا دن آفس میں۔ کوئی ان پر ٹھکان نہیں! اپنی
مرضی سے سارا دن بے سوئے ہے۔ یہاں آج ذرا
ذرا کاموں کو بھیج رہی ہے۔"

"ارے! یہ سچ بیانا، تو نے لکھ لیا تو بے لوبہ کی
کہتے ہیں، جیسو دلا!"
"لو! زائیکر۔"

"ہاں! وہی میں تو سارا دن اس میں بولتی ہوں۔
جھینڈ تو کبھی آواز نہیں آتا ہے۔"
"جئے جئے! کیسی عجیب! علان دیکھا میرے پاس۔ انٹر لاک
سری ٹیکنالوجی کا آواز ان آٹو نہیں، قند ریشم اور افکار کو
دیتے تھے، تیل کو لگائی تو اس کا مین آف کر دیتے تھے۔
ایک سی طرف تھا میرے پاس۔" "وہ سخت بھنائے
ہوئے تھے۔" "بچے سے ایک گن کر کے انہیں سخت
ست سنا رہا ہے۔"

"گورہ! کچھ نہیں! میں اہل جان! چار بیسے ہاتھ آفس
کے ایڈمنسٹریٹر کی رگڑ میں گھر کر رہی ہوں۔ کراسی
کے لیے جھینڈ صاحب، دو سال سے سیل انجینئرنگ کی

ڈگری لیے بیٹھے ہیں۔ چار بجے سو کر اٹھتے ہیں۔
وقت بچوں کی طرح کھیل کود کر گھوما دیتے ہیں۔
دوسرے حضرت! عرب زبان مارے بندھے ہوئے دینی
پڑھتے جاتے ہیں۔ وہاں سے کیا پڑھ کر لیتے ہیں! کچھ جتا
نہیں۔ اس عمر میں بچوں سے بدتر ہیں! دونوں۔ اور یہ
سب بے غم کی اسی لیے ہے کہ سب سے بچ کر لوہ
بیٹھے رہتے ہیں۔ دنیا، دنیا سے کٹ کر خوش کم
ہیں۔ بچے ہیں کہ تو ذرا انسان ہیں جا میں گے میری
اور آپ کی نظروں میں رہیں گے، اس لیے میں
نے فیصلہ کیا ہے۔"

"داؤدی جان! پھر سوچ میں تم تھیں۔
"اور پھر ان کو مشکل کیا ہے؟ دیکھو! دو ستر خالی
ہیں۔ ایک میں دونوں لڑکے رہیں گے اور ایک میں
غزل۔ گنول بھی آجایا کرتی ہے تو غزل کے کمرے
میں رہ گیا کرے۔ یہاں کی نظروں کے سامنے رہیں
گے تو مدھر رہیں گے تھیں۔"

"ہوں!" "داؤدی! پھر خشت ہو گئیں۔" "مگر لوگوں
کو دے رہے ہو؟"
"میرے بہت اچھے دوست ہیں، خود شیو ملی
صاحب! ان کی بیٹی ہے۔ وہ تو گھر بند کر کے ہیں۔ کل
ان کی بیٹی کو گھر کر رہا ہے۔ گورہ! رحمان دیکھو
میں دار کی کاک۔"

"اے! بل۔ میرے تہہ ہر ہو جاؤ۔ میں اور تان ہیں
ہا! داؤدی نے پٹان کھولا۔"

"جئے جئے! دہاں؟ میں نے تو کرائے کو دے دیا ہے
نہ تو آج نہیں۔ گھر ہو دے تو اپنا پرانی بھجت کھلے
رہیں! داؤدی کی سزا؟ کیوں لکھی؟"
"خاتون خانہ نے فرمائے، میری ذہن کو چھڑ گھڑاں
کے لئے دوک کر داؤدی جان سے پوچھا۔"
"آلہ! بل۔ ہاں! مجھے ہاں! داؤدی جو ایک
محبت کے عالم میں، ناک پر شہادت کی، اگلی دھڑے
انہیں کچھ جاری تھیں گھر بزرگہ گئیں۔"

"نہانے کیا بولے جاری ہے۔" "وہ منہ میں
بڑھا نہیں۔"
"تہہ! ک۔ یہ روتے بیٹے۔" "تاج بیگم،
ماس کا ہاتھ من گھر بزرگہ کر ان سے خطاب ہو گئیں۔
"کلف نہ برہنہ۔ اب تو ایک ہی گھر میں رہتا
ہے۔" "وہ! نہیں۔"

"آہ! بھتیجہ! دو بیس! داؤدی حق ہونا اسے۔
اس نے گھر کی فتنہ نہیں لیتا۔" "وہ دل کھانے
میں شہل ہو گئیں۔"
"میرے بہت اچھے سوتے کوئلے میں اکھیا
دی! کھانا پھر ہاتھ ساروں کی لڑائے کرائے دے
گھر میں دی۔ یہاں میں غرض شیو ملی۔ اپنی کوئلے
تھیں۔" "وہ شوہر سے نکلی تھیں۔"
"چلو! ساروں کی ک۔ فتنہ لڑیں۔ آہ!
فتنہ نے چلے جاناں کے نیو جیہاں گے۔ اپنے
گوشت چلے جلاواں گے کیوں لکھی؟"
"یہ۔ بل۔ بل۔ کس بل۔" "داؤدی پھر
بوکھا نہیں۔"

"اچھا! من۔ میں بہن جلدی آہ! گھر میں
تے چکا لگیا، گھڑیاں کھی دیئے ان کے دیکھ جاؤں
کی۔"
"میرے شوہر۔" "تاج بیگم! انہیں رخصت کرنے
میت تک نہیں۔"
"واپس لو! میں تو اس کو کبھی گھر میں نکالا
نہیں۔" "یہاں پہا۔ وہ بچن کی طرف بڑھ گئیں۔"
"ہاں! ہاں! ذرا سوتو۔" "داؤدی نے روزانے پر
ہی پڑ گیا۔"

"کیا نہیں؟" "دہلیت آہیں۔"
"کیسے کوئلے کو گھر دے رہا ہے قلب الدین؟"
"کیوں لکھی؟ کیا ہوا؟"
"میری۔ جئے جئے! کبھی ہے۔ میرے تو بے پتہ
میں پڑا۔ بیٹھے سے گھبراہٹ دی ہاتھ ٹپک
بخت۔"
"ارے نہیں! لکھی۔" "ان بزرگہ گئیں۔" "ہا۔"

بہلی عورت ہے بھائیوں کی دینے لگی۔ بس زبان زبان کا فرق ہے۔ انسانوں میں تو فرق نہیں۔ قطب الدین صاحب نے کچھ دیکھ کر یہی کہہ دیا ہوگا۔
دوہلی جان باغوشی تو ہو گئیں مگر ان کے چہرے پر وہ پہلی سی شائستہ نہ تھی۔

”دیکھا آپ نے داہی جان۔ آخر کو ہمارے خدشات درست ثابت ہو گئے۔“
وہ تینوں داہی جان کے تخت پر براہمن تھے اور ایسا بست کم ہو تھا کہ داہی بیک وقت اپنے افرار کو اس بے تکلفی کی اجازت دے رہے۔
”اے مجھے کیا پتا تھا کہ قطب الدین کی عقل گھاس چرنے لگی ہے۔“ داہی آہستہ سے بولیں۔
”اب اپنا من زبان لے تو اچھا بھی لگتا ہے تو ہی اپنے ہی کہہ دیا جس سے کہہ لے گا اپنا بوجھ بھگ کرے۔ اسے اس کی کاؤڑی زبان سے تو میرے سینے پر دمن بوجھ ہو گیا۔“

”بس داہی جان! اب ابھی سے کہیں کر لوگوں کو انکار کر دیں۔“ غزل نے جوش سے چٹکی بجاتی۔
”تم تو کون کلام پھر بھی نہیں ہونے والا۔“ دوہلی جان چڑچڑا گئیں۔ ”ایک کو انکار کرے کھد دس اور آجائیں گے۔ بکھروں کی کسی نہیں بنائیں۔“
”اور ہم تین بھی اب میں شامل ہونے والے ہیں۔“ بھینڈے آدھ بھری۔
”خدا نخواست! میرے چاند، تجھے جگہ کی کمی ہے کوئی۔ ایسے دس گھر کچھ پر سے وارد ہوں میں۔“ داہی جان کو بڑے ہوتے اوپر بڑی ہوتی ہے جسکی زیادہ محبت تھی چھوٹوں پر رات ہی جنگلی کا افسار کیا کرتی تھیں۔
”دس چھوٹے گھر صرف ایک گھر والی دوہلی جان ہی محض لوہری کی منزل۔ بھائی جان پر سے دار کو بھائی جان کوئی دے دیں۔“ بھینڈو والا۔
”اے باپ کو دس گھر نہ سمجھو تمہارے بیٹے کو ہی

کرنا ہے جو بھی کرنا ہے بڑا دانش مند ہے میرا قطب الدین۔“
”جی ہاں! صاف ظاہر ہے دانش مندی۔“ بھینڈو طرا بولا۔
”کم بخت۔“ ایک چپت اس کا مقدر ہوئی۔
”باپ ہے تیرا۔ اچھا بھلا کر۔ چل اچھہ یہاں سے نہ نکار آجیو سے پوچھا جا رہا ہے۔“
”داہی! اس نے پاؤں دی۔“ کل تو نایا ہوں یہ آپ کی ناک بھٹنے وقت اللہ نے کون سا منزل امتحان کیا تھا۔ اب اس منزل کو امریکہ بلور حواس نکالتے بندے میں استعمال کر رہا ہے شاید۔“
”مرکب کا پیم نہ لیا کر میرے سامنے۔ بس چپا مسلطان کاوڑی۔ بلور ہو۔ تو اسامہ سے یوں نہ ذرا کرتے۔“
دوہلی جان کی سیاست سے قطع نظر کیے وہ اپنی انجمنوں میں گرفتار بیٹھتے تھے۔

ادری منزل پر رست کا کام جاری تھا۔ خورشید علی اور ان کی بیگم نور بانو کام کا جائزہ لیتے آئے ہوئے تھے۔ وہ بیڑیاں جو جن میں آواز لگتی تھیں۔ اوپر دو دانہ کا کر بند کر دی گئی تھیں۔ لائن کی جانب بیڑیاں نکال کر مرزا کی کیمت کے ساتھ ایک چھوٹے گھٹ کا ساواڑ کر دیا گیا تھا۔
گھوڑوں میں دو اکر لٹا رہا۔ بن رہی تھیں۔ برحقی اور سستی اپنے اپنے کام کر رہے تھے۔
وہ آگے سے چلا ہو خورشید علی اور نور بانو کے پیچھے جا بھڑا تھا۔
”اٹھلا! ملے گا۔ اگلے!“
وہ دونوں ہی مزے لے رہے۔
”بیکساں پتہ!“ نور بانو نے اسے دونوں ہاتھ سر پر پیچ کر پار دیا۔
”مجھے آئیں نا۔ کچھ جاسنے پانی ہو جائے۔“
”نہ چرتے۔ میں چاں لے رہی ہوں۔“

خورشید صاحب جواب دینے کے لیے ہنس رہی کوڑے تھے۔ اتنی دیر میں برابر سے تیار جواب آتا تھا۔
”کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی آپ لوگوں کو۔ کسی حکم کی شکایت۔“
”نہیں بیٹی! بالکل نہیں۔“ اس مرتبہ خورشید صاحب کا سیاق ہوئے۔ ”تکلیف کسی۔ کسی بات کی۔“
”وہ۔“ بھینڈے تھوک لگلا۔ ”جن جنات کا کیا بھروسہ۔ کب کسی وقت کیا کرے۔ میرا مطلب ہے کسی سے ذکر کرتے کیجئے گا۔ بس پھر مکران رہے گا۔ نہ بد نہ بد نہ کوئی بد کچھ نہیں کہتے۔“
وہ دونوں کے چہلوں پر تذبذب کے آثار پیدا ہوئے۔
”اس میں کچھ نہیں۔ چتے۔ تسی کی کیندے اب۔“ خورشید صاحب کا منہ کھلا کر ہنسی اور انجمن۔ ”کچھ نہیں آئی۔ کچھ بھی تو نہیں۔“ اس نے گھبرانے کی محروم اور انکار کی۔ ”بھئی کو پتا چل گیا تو میری خبر نہیں ہے۔ مجھے کیا خبر تھی۔ بھئی نے آپ کو پہلے سے نہیں بتایا۔“
”نہ چرتے۔ توں دس سالوں۔ اس میں کچھ نہیں کیندے کے یوں دی۔ توں دس۔“
بھینڈے نے تھوک کھل کر اوپر ادر کر دیا۔
”تب تو پہلے مجھے سے وعدہ کریں کہ ابھی کو پتا نہ چلے میں سے آپ کو کچھ بتایا ہے۔“
”وعدہ ہے بیٹی بلا وعدہ۔“
خورشید صاحب اس کے کان پر ہاتھ رکھ کر اسے راج سستی سے قدرے فاصلے پر لے گئے۔
بھینڈے آہستہ آہستہ من سے کچھ لگنے لگے ان کے چہرے پر گفتگو کی لکیریں نمودار ہونے لگیں۔ ذرا سے فاصلے پر گھڑی اور بانو کی آنکھیں خوف سے چمکیں چلی گئیں۔

”مکمل ہے۔ یعنی لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔“

ہو گئی یعنی کہ۔“ بہت دیر سے قطب الدین صاحب خود سے اللہ رہے تھے۔ اچھے پلے جانے تھے۔
”دوہلی جان نے فصیح دھوک کر زور دھڑ سے آگے پیچھے بلانہ کر لیا۔“
”قطب الدین! اب بس کہ کیا دونوں کی طرح خود سے اچھے جا رہا ہے۔ کوئی درد آئے گا کبھی قائم ہے اس میں؟“
”الہا۔ الہا! تو کوئی کی بات چھوڑیں۔ بلے۔ دو اور میں نے پاس بڑا کلا کر لایا ہے۔ وہ ان کے گھر سے گا ان لوگوں کو۔ ان کا ایذا داس تو لوٹنا نہ دے گا۔ اور ایذا داس کی وہ من سے پوری کی پوری گھر پر لگا دی ہے۔“
”اے۔“ ان سے زبانوں کو خدا پر تھیے اونکو شرافت ہے؟ اتنا زور ہمارے سروں پر لاد کر کیسے اطمینان سے کہہ رہا کہ گھر نہیں چاہیے۔ تم نے تو میرا من نہیں کر دیا ان سے۔ میں خوب سمجھتی ہوں اور کچھ نہیں تو دس باتیں تو سنا ہی تم توں پر ٹھک گیا ٹھک گیا کر رہے تھے۔“
دوہلی جان فصیح کر کر گاتھ کا پکھا ٹھٹھٹہ بنے تھیں۔
”الہا! بہت پرانا کرلیک ہے۔ میرے برسوں کی ششماں ہے۔ کیا کہہ سکتا ہوں اور پھر کلام تو ہمارے اپنے گھر میں، وہاں ہے۔ وہ گھر تمہارا تھا کر لے گئے ہیں۔“
انہوں نے تلخ دیکھ کے ہاتھ سے چائے کی پیالی لی۔
”اے! لوٹا ہے زیادہ شاہ کے وقتوار! داہی کی انجمنی ناک تک پہنچ گئی۔“ اے قطب الدین! تم نے تو بڑے ہو کر کوٹ لیا۔ وہ دھیرا کیا جس میں توئی کو کوڑ ہے کی مثل نہ آئے۔ اے بھینڈو! تمہارا تھا تو تھا ان کے گھر کی کیا لاد دہی آتا؟“ ان کا فون کوڑ لایا۔ سارے گھر کو مصیبت میں ڈالا۔ اے میرے بچے! اتنا ریشٹن ہوئے غریبوں نے گناہ کر دیا۔ ایسی شجوس مصورت اکل تکی تھیں کی تم نے کسی خوار کی۔ بھلی۔ کہیں

”اور۔۔۔ اور۔۔۔“

جشید کا اگلا حوالہ منہ میں ہی رہ گیا۔ تاج بیگم کمرے میں داخل ہو رہی تھیں۔

”طعنت ہو ایسی اولاد پر۔“ وہ سخت غصے میں تھیں۔
”کب سے صحن میں کھڑی آوازیں دے رہی ہوں،
مجال ہے جو کسی کے کان پر بھی جوں رینگنے۔“
”جو میں تو صرف غزل کے سر میں ہیں امی جان!“

اسے ڈانٹیں۔ ”جشید بابا سا بولا۔
”بند کرو بکواس۔ لوٹنے کے لوٹھے بیکار بیٹھے ہیں۔
ناکارہ اولاد! چلو تینوں نیچے۔ آج سے تینوں کا اوپر آنا بند
ہے۔ بالکل صبح فیصلہ کیا تھا تمہارے ابو نے۔“
”امی جان!“ ان تینوں کا مشترکہ احتجاج فضا میں
گوںجا۔

”چلو نیچے، میں کہتی ہوں لڑکی! تم چائے کا پانی رکھو
اور جشید! تم دوڑ کر جاؤ، بازار سے سمو سے اور چکن
رولز لے کر آؤ۔ جشید! تم میز صاف کر کے برتن
رکھو۔“

”ہائیں، کون آیا ہے امی جی!“ غزل نے پوچھا۔
”مہمان ہیں۔“ وہ مختصر ”بولیں۔“
”کون مہمان؟“

”خورشید علی صاحب اور ان کی فیملی۔ ملنے آئے
ہیں وہ لوگ۔“ امی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئیں۔
جشید بے ہوش ہو کر بستر پر گر پڑا۔
”ارے، اسے کیا ہوا بھائی جان!“ غزل حیران
ہوئی۔

”چند لمحوں پہلے جو کرڈٹ لے رہا تھا، وہی لے
ڈوبا۔“ جشید کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری۔
”رائٹر چاہے کچھ بھی لکھ مارے، پکڑا پر فارم جاتا
ہے۔ کیا سمجھیں۔“

ڈرے، سیمے وہ تینوں ڈرائنگ روم میں داخل
ہوئے تھے۔
اندرونی منظر توقعات کے عین برعکس تھا۔

کماں سے مزدور پکڑے۔ ان کے نخرے اٹھائے۔
سروں پر کھڑے ہو کر کام کروایا۔ تاج بے چاری چائے
پانی کر کر کے نڈھال ہو گئی۔ اور تم کہتے ہو برسوں کی
شناسائی ہے۔ ارے اس موئے کو لحاظ نہ آیا برسوں کی
شناسائی کا؟“

قطب الدین صاحب خاموشی سے چائے پیتے
رہے۔
”خیر خیر۔۔۔“ داوی نے سانس بھر کر پاندان کھولا۔
”تم نہ کہہ کر۔ میرے اکاؤنٹ سے روپیہ نکلو! کران کا
ایڈوائس واپس کرو۔ خیر سے کوئی دوسرا کرائے دار
ڈھونڈ لیں گے۔ کہاں مجھ سے تمہاری ایسی صورت
دیکھی جاتی ہے۔ میرا تو کلیجہ منہ کو آنے لگا۔“

”ہپ ہپ ہرے۔۔۔ ہپ ہپ ہرے۔۔۔“ وہ
دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے ڈانس کر رہے تھے۔
جشید دیوانوں کی طرح بیٹھا بس رہا تھا اور تالیاں
پیٹ رہا تھا۔

”دیکھا تم نے غزل کی بیٹی!“ جشید نے رک کر اس
کی چٹیا کھینچی۔ ”ہمارے انڈر کام کرنے کے فوائد۔۔۔
ساڈے نال رہو گے تے عیش کرو گے۔“

”ہونہ! خیر جانے دو، یہ آخری آئیڈیا بھائی جان کا
تھا۔ تم نے تو صرف اس پر عمل ہی کیا ہے۔“
”ارے رائٹر جو چاہے لکھ دے، جب تک پر فارم
اپنی اداکاری کے جوہر نہ دکھائے، ڈرامہ نہیں بنتا۔ کیا
سمجھیں۔“

”نمرے کی بات یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر بھی اتر گیا اور
کمرہ میں الماریاں بھی بن گئیں اور تو اور واش رومز
میں ٹائلز بھی نئے لگ گئے۔ یعنی ایک تیر سے کئی
شکار۔“ جشید بولا۔

”یعنی پانچوں گھی میں اور سر کڑھائی میں۔“ جشید
نے گرہ لگائی۔
”اور یعنی آم کے آم، تھیلیوں کے دام۔“ غزل
نے نعرہ لگایا۔

تجربہ گوری دینی محبت مند گزریاں صوفیوں پر ایمان
داوی جانے سے کچھ کہہ کر بے تحاشانہ جاری تھیں۔
گوئے میں بیٹھے خوشدلی کی مسکراہٹ سے تھے۔
"اسلام علیکم" کا دوا صرف غزل کی تھی۔
اس نے مزید کچھ خشیدہ لورجینہ غلبہ تھے۔
"وہیکیم السلام" دہ تینوں دھچکی سے اسے دیکھتے
تھیں۔
غزل نے باری باری ان سے مصافحہ کیا۔ خوشد
صاحب نے اچھے کر اس کے سر ہاتھ پھیرا۔
"بھیس کئی ہیں بیٹے کسی آپ کی نہیں من سے
من میں کو تار ہاتھ غزل کی کو کرکٹ کھیلنے کا بڑا شوق
ہے۔"
غزل چور کی من گئی۔ داوی جان اسے گھور دی
تھیں۔
"یہ میری بڑی بیٹی ششلو ہے" یہ بھلی ہے وراثت
اور یہ سب سے پھمکی ارشاد۔ "خوشد صاحب نے
تعارف کروایا۔
غزل ان سے متاثر نظر آتی تھی۔ وہ تینوں درواز
جاست ہے تماشگاہ گوری اور خاصی خوبصورت لڑکیاں
تھیں۔
"جیسے دو بخت بریت" تھیں کی گمانیاں بڑی پسند
ہیں تھیں۔ "ششلو تھے گئے۔" ابھی سے جب بتایا کہ
آپ کے گھر میں بھوت رہتے ہیں وہیں سے کھلم میں
نے بے ضرور دھمکا ہے وہ گھر بھلا بھوت گھر کیا لگتا
ہے۔ آپ کو بالکل ڈر نہیں لگتا؟"
وہ غزل سے پوچھنے لگی۔
"جیسے۔" اس نے تو کہہ لگی کہ دہلی جان کو دیکھا
جو ششلو بار نکالوں سے گھور رہی تھیں۔ "جیسے تو
بہت ڈر لگتا ہے۔" آپ میں بے چارے لاتی ہوں۔"
وہ اچھ کر بھپاک سے نکل گئی۔ بچن میں ڈر نہ
لی۔
"جیسے چھوڑ کر بھاگ لے۔" وہ دانت ہیں
کیر بڑا نہ لگی۔ "بھٹوں کی نہیں۔"
"کس پر غصا ہو رہی ہے؟" کج تیکم نے تعجب سے

اسے دیکھا۔
"بھائی جان اور جینے۔" کس بھاگ گئے دونوں؟"
"بھاگ گئے؟" اندر دوسرا میں رہے ہیں دونوں۔
"کپڑے بدل کر خربو میں لنگی باری ہیں۔" جھ پر خفا
ہیں کہ میں نے یہ نہیں بتایا ڈرانگ دہم میں لڑکیاں
بھگی ہیں۔ زور مال دھمکو کج کل کے لڑکوں کے۔"
"بھئی سارا دھماکا لگائیں گے۔" آپ نے فکر
رہیں۔ "نق وہ دن بڑے کا وہ دن بڑے لگے۔" وہ
داوی کی زبان بولنے لگی۔
"کھیں! کیا کیا ہو؟" کج تیکم نے تعجب سے
اسے دیکھا۔
جواباً وہ انہیں ساری داستان سناتے لگی۔
* * *
وہ تینوں سر جھکائے بیٹھے تھے اس لیے چہلوں کے
آثار پر خوشد سے تھے۔ داوی جان بڑے اطمینان سے
اسے سخت پر براجمان باطن کو بولے کیا ڈھونڈ
رہی تھیں۔
کج تیکم پریشان پریشان سی کرسی کے پاگل
کنارے پر بیٹھی ہوئی تھیں اور قلب العین صاحب
دودھ خور سے گن کر رہے تھے۔
"بھئی اس قدر ملائی کو لود اور اتنی شوریدہ مری۔"
کیا نہ اندھارے لڑکے تو بچی جان جن لڑکے۔"
"بھلا اندھ کسے قلب العین؟" داوی جان نے قطع
کائی کرتے ہوئے کہا۔
"آپ کا چہرہ بھانسنے کی خوشی تو کیا کس کے اٹنا
بوہم بن کر گئے تھے تھیں گے" سر پر چھ کر ہاتھیں
گئے۔ یہ وہ دہلی دہمکوں کی "میری" آنکھوں میں دھول
جھوکتا رہے ہیں۔
غصے سے وہ بھاگ اڑانے لگے۔
"چل بس کہ قلب العین جانے دے" بیٹھے ہی تو
ہیں۔ "داوی جان نے اپنا ہون کی تلاشی موقوف ہے۔" بیٹھے ہی تو
"یہ بیٹھے ہیں؟" یہ ہے۔" حضرت سے بیٹھے ہیں۔
آدھے ہل سفید ہیں اس کے۔" انہوں نے جیشید کا

سروا تو کیا کیا۔
"نہلے ہو جان" وہ سننا۔
"مٹی ہلے۔" بے چارہ کسی پر گرا نہیں۔ اندری
اندروں ہل سفید کر رہا ہے بھلی جان کے۔ "جینہ مدنی
منہ میں بول گیا۔
"یہ تم کی مین میں کر رہے ہو۔" قلب العین
صاحب نے سارا سے گھورا۔
"بھائی جان کے نزلے کی تعریف کر رہا ہے ابو
جان" "نزل جلدی سے بولیں۔
"تو چپ رہ" "داوی نے اسے کڑے
توروں سے گھورا۔ "چلو وہ دونوں تو لڑکے ہیں اس کو
بھی بگے ہوئے ہیں۔ ان کے برابر کی شریک روٹی
ہے پر کلام میں اور گھر میں کچھ تانی بھی نہیں۔" غصی
کس کی۔
"میں نے ہی تو اہی جی کو پتلی سے پوری پست۔"
اس نے احتجاج کیا۔ "جینہ نے جل کر مٹی اس کی پتلی
میں باری۔
"ابھی اس نے چچا دی۔"
قلب العین صاحب جو اپنے کسی خیال میں بیچ
پکے تھے گھر چکے تھے۔
"خیر۔" خیر۔ یہ تم لوگوں کے ساتھ کسی بھی قسم
کی زندگی نہیں چاہتا۔ میں چاہتا ہوں شریک کو، اپنی
طرف اطمینان سے اپنی تعلیم مکمل کرو۔ سکون کے
ساتھ جو رہنا چاہتے ہو پڑھو سیکھو۔ یہ بول چال حرمیں
اب سمجھ سے براشت نہیں ہوتی۔ اپنی عمول کے
مطابق باؤ اب قمر سے کھیلنے کو لے کے دن نہیں
ہیں۔ کچھ عرصے بعد شاہوں بول کی تو سارا پچھنا بھی
طرز نکل جائے گا۔ اس سے پہلے اپنی زور داریاں
پہنان لو مٹی بستر سے۔"
وہ چتر گھوں کے لیے رہے۔
"گور اور پوری پور میں کرانے پر چھانے سے تم
لوگ بے سکون ہوتے ہو تو میں اپنا فیصلہ بدل لیتا
ہوں۔" جینہ اور جیشید نے چنگ کر سر اٹھا اور ایک
دوسرے کی جانب دیکھا۔

"قروگ آسام سے اوپر رہو" اپنی پڑھائی کرو گئی
ڈھنگ کا قسری کلام کو، "میں اپنی داوی جان اور میں کا
حل احوال پوچھ جایا کرو" ان کے کلام کرکھ کو ان کی
پکار کا جواب دیا کہ "جیسے جی کی طرف۔"
"میں تب تو کہہ رہے تھے اب بچپنا چھوڑو۔"
غزلی کی زبان میں کھلی ہوئی۔
قلب العین صاحب نے مسکرا کر ایک چپت اس
کے سر رکھا دی۔
"یار جینہ" "خیشد نے گویا غزل کی بات سرے
سے سنی ہی نہیں۔" وہ سنی ہوئی تھی ابھی گئی ہے
ت۔
"اور بھائی جان! آپ نے غالباً دوسری دہلی کی توار
نہیں سنی۔" جیسے چاندنی کے برتن میں سے کھٹکتے
ہوں۔ "جینہ ایک نیک غلامیں گھورنا تھا۔
"ابو اس کے بل بھی لاتے ہیں۔" جیشو کے ایڈس میں
بھی اچھتی ہے۔
جینہ نے چنگ کر بھائی کو دیکھا۔
"آپ ڈارکٹ میں کوئی شیشو اندر ڈھیں کرانے کا
ارادہ رکھتے ہیں کیا؟" ابھی سے آپ کو پتال کی تلاش
ہے۔"
"خوشد بدھو میں تو اس کے ہاتھوں کی تعریف کر رہا
تھ" "خوشد غلام کرلا۔"
"ابھی قدر فیر شادمانہ بلکہ عاجزانہ زبان استعمال
کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ سیدھے سیدھے کہیں
سے تشبیہ دے دیں یا بشارت کا لقب دے گا گویا یا مگن
کا ذکر کریں۔"
"یار جینہ! اچھے خیال آیا۔" اگلے سے بے چارہوں
کے نام رکھنے میں کچھ زیادہ ہی زبانی نہیں کر ڈلی۔
اب بھلا جاتا "اتنی حسین لڑکی کو ششاد کہہ کر پکاریں تو
دل پر کیا کر سکتی۔"
"آپ کو کب تک کی اقدار سے احساس نہیں بھائی
جان! ایسے نازک موقع جب زندگی میں تبائیں تو
اس کی بکشمیری برکت سے ملا جائے۔" غصی
شروا شاد۔ "جینہ نے ہزر گوار بن کر بڑے بھائی کو

”بھئی یہ تکلف کس لیے؟“ خورشید علی صاحب
میز دیکھ کر مزید خوش ہوئے۔

”تکلف کیسا انکل... آپ کا اپنا گھر ہے۔“ جشید
نے دانت نکالے۔ ”صرف چائے ہی تو ہے۔“

وہ لوگ بیٹھ کر چیزوں سے انصاف کرنے لگے۔
جشید اور جینے نے پریشان نظروں سے انہیں اور
پھر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

جینے نے اپنا مخصوص اشاریہ یعنی کبھی کا استعمال کیا۔
غزل اچھل ہی پڑی۔

جینے کو کھاجانے والی نگاہوں سے دیکھ کر وہ غصے میں
بھر کر بولی تھی۔

”انکل آئی... آپ لوگ میری سیہیلوں کو کیوں
نہیں لائے؟ ان کے لیے تو میں نے اتنا اہتمام کیا
تھا۔“

”ہاں... ہائے... میری دھی... کملی!“ نور بانو ہنس
ہنس کر دوہری ہو گئیں۔ ”تو تمناں تے ہاشل وچ
رہندی آں... فیصل آباد!“

”ہاں...“ خورشید علی بھی ہنس رہے تھے۔ ”بچھلے
دنوں آئی ہوئی تھیں تو ہم لے آئے۔ اب تو دو تین
مہینے بعد ہی آئیں گی۔“

چاچا جی چیزوں سے یوں انصاف کر رہے تھے گویا
انہوں نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ خورشید علی، نور بانو، دادی
جان اور تاج بیگم بھی مصروف تھے۔

غزل نے ان دونوں کو ٹھیک ٹھاک دیکھا اور گھورتے
ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

”بھائی جان!“ جینے تورا کر جشید پر گر پڑا تھا۔
”میرا کرو۔“

”اچھا... پھر تالا او خودی۔“ وہ پھر روٹھ گئی۔
”ارے میری بیاری بس!“ جشید نے اسے ساتھ
لگا لیا۔ ”یار جینے! کیوں تنگ کرتے ہو یا... چھوٹی سی
تو بہن ہے۔“

تاج بیگم اسی آن کچن میں داخل ہوئی تھیں۔
”یہ تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟ وہ حیران ہوئیں۔
”وہ... وہ... امی جان... غزل نے اپنے کرائے
داروں کو چائے پر مدعو کیا ہے نا؟ وہ اس لیے...“

”غزل نے مدعو کیا ہے؟“ انہیں حیرت کا دورہ پڑا۔
”جی ہاں۔ وہ اصل میں... اس کی سیہیلیاں...“
اس نے غزل کو کبھی ماری۔ ”بیانو، تسی! آخری
لفظ وہ ہونٹوں میں دبایا تھا۔

”جی ہاں امی... میں نے ہی مدعو کیا ہے۔“ وہ بے
زاری سے بولی۔ ”بلکہ جاری ہوں مدعو کرنے۔ بھائی
جان سے چیزیں منگوائی ہیں میں نے۔“

”تم جاؤ نا غزل انہیں بلا کر لے آؤ۔“ جشید جلدی
سے بولا۔ ”جب تک ہم لوگ برتن سیٹ کر لیتے ہیں۔
امی! آپ اچھی سی چائے بنالیں نا۔“

”ایک تو تم لوگ بھی... بنا کچھ پوچھے پچھے
شروع ہو جاتے ہو۔“ وہ بڑبڑاتے ہوئے ساس پین
نکلنے لگیں۔

غزل بھائی کا اشارہ ہا کر باہر چل دی۔
جشید اور جینے ڈرائنگ روم میں برتن سیٹ کرنے
لگے۔

کچھ ہی دیر میں خورشید علی صاحب، نور بانو بیگم اور
چاچا جی خوش خوش چلے آ رہے تھے۔

copied from web

the end ***** the end